مرزا اسداللہ خاں غالب

مرزا غالب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ان کی عظمت کو ہر زمانے میں تسلیم کیا گیا ہے۔ان کی شاعری ہر کسی کے دامن دل پر دستک دیتی رہتی ہے۔اسی خوبی کی بنا پر ان کی شاعری آفاقی حیثیت کی حامل ہے۔وہ ۱۷ستمبر ۱۷۹۷ء کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام اسد بیگ خان تھا والد کا نام عبداللہ بیگ تھا۔وہ ترک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔غالب کا خاندان سمرقند سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہو گیا تھا۔مرزا غالب اپنا شجرہ نسب بادشاہ توران افراسیاب سے ملایا کرتے تھے اور اس پر ہمیشہ فخر بھی کیا کرتے تھے۔ان کے والد فوج میں افسر تھے۔

غالب ابھی پانچ سال کے ہی تھے کہ ان کے والد گرامی ۱۸۰۲ء میں راج گڑھ کی لڑائی میں گولی لگنے سے فوت ہو گئے تھے۔غالب کی پرورش کی ذمہ داری ان کے چچا نصراللہ بیگ کے کندھوں پر آ پڑی۔چار سال بعد ۱۸۰۶ء میں ان کے چچا مرزا نصراللہ بیگ نے ہاتھی سے گر کر وفات پائی۔پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے نانا خواجہ غلام حسین نے لی۔خواجہ غلام حسین مالی اعتبار سے خوش حال اور متمول آدمی تھے اس لیے ان کے ہاں غالب کو ہر طرح سے عیش و آرام حاصل تھا۔یہ دور غالب کی زندگی کا بہترین دور تھا۔

۱۸۱۰ء تیرہ برس کی عمر میں ان کی شادی نواب احمد بخش کے چھوٹے بھائی نواب الٰہی بخش کی بیٹی ''امراؤ بیگم'' سے کر دی گئی۔غالب کی شادی چونکہ دہلی میں ہوئی تھی اس لیے انہوں نے دہلی میں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی۔ان کی آمدن اگرچہ اس زمانے کے لحاظ سے معقول تھی مگر وہ اپنی شاہ خرچیوں کی وجہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔انگریز حکومت کی طرف سے انہیں پنشن بھی ملتی تھی جو کچھ وجوہات کی بنا پر بند ہو گئی۔غالب ساری زندگی اس پنشن کی بحالی کے لیے مقدمہ لڑتے رہے۔مگر پنشن کی بحالی کی امید پر وہ قرض لیتے رہے مگر بسیار کوشش کے بعد ان کی پنشن بحال نہ ہو سکی۔بالآخر پنشن کی بحالی سے مایوس ہو ۱۸۴۴ء میں اس مقدمے کی پیروی ہی چھوڑ دی۔

۱۹اکتوبر ۱۸۵۷ء کو مرزا غالب کے بھائی مرزا یوسف بیگ کا انتقال نہایت کسمپرسی اور دیوانگی کی حالت میں ہوا جس کا غالب کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا اور ان کی طبیعت خراب رہنے لگی۔علاوہ ازیں کثرت شراب نوشی کی وجہ سے ان کی صحت مکمل طور پر تباہ ہو گئی تھی۔مرنے سے قبل بے ہوشی طاری ہو گئی اور اسی بے کسی عالم میں ۱۵فروری ۱۸۶۹ء انتقال کر گئے۔ان کی تدفین معروف صوفی بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے احاطے میں ہوئی۔

''آہ غالب بمرد'' سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

تصانیف:

مرزا غالب اردو زبان و ادب کے نامور شاعر سمجھے جاتے تھے۔ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔دیوان اردو ۲۔دیوان فارسی ۳۔گل رعنا ۴۔پنج آہنگ ۵۔مہر نیمروز
۶۔قادر نامۂ غالب ۷۔ قاطع برہان ۸۔لطائف غیبی ۹۔درفش کاویانی
۱۰۔ سبد چین ۱۱۔عودِ ہندی ۱۲۔اردوئے معلیٰ وغیرہ

نمونۂ کلام

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تحریر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بے جا ہے، مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ ٔ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیا
ہیں گرفتار بلا، زنداں سے گھبرائیں گے کیا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقدیر بھی تھا

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا و لے طالب تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا
ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

خصوصیات کلام

مرزا غالب اردو زبان کے عظیم شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی جدت طبع، ندرت خیالی اور فلسفیانہ سوچ وفکر سے اردو شاعری کو اس طرح نکھارا ہے کہ آنے والے شاعر اس کے تتبع میں فخر محسوس کرتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری اسی وجہ سے ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''غالب کم از کم اردو شاعری میں ایک نیا رہنما اور دیوان غالب اردو (شاعری) کا ایک نیا موڑ ہے۔''

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے ان کے دیوان کو الہامی کتاب قرار دے کر اسے مقدس ویدوں کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

غالب کی شاعری مضامین کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے بھی فکر انگیز ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دل کی کیفیات اور اپنے ذاتی تجربات کو جس طرح غزل میں سمویا ہے، وہ انہی کا خاصا ہے۔ ان کے اشارے، کنایئے اشعار کا لطف و مزا دوبالا کرتے ہیں۔ ان کی فکر اور احساس ان کے ہر شعر سے جھلکتا ہے۔ فلسفیانہ مضامین کی زبان و بیان میں شگفتگی اور متصوفانہ خیالات کے اظہار میں بے تکلفی ان کی شاعری کے شعری حسن کو بڑھا دیتی ہے۔

وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے بلند پایہ شاعر ہیں۔ فارسی شاعری سے بے پناہ محبت کے باوجود انہیں شہرت اردو شاعری کی بنا پر میسر آئی۔

گرچہ مرزا غالب نے قصائد اور مثنویاں بھی لکھی ہیں مگر اس کے باوجود وہ غزل کے شاعر ہیں۔ اردو غزل اور نثر دونوں میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اردو نثر کی طرح اردو شاعری میں بھی انہوں نے ایک نئی طرح کی بنیاد رکھی۔ غالب کے کلام کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

جدت بیان:

جدت بیان مرزا غالب کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ان کی شاعری میں بیان شدہ مضامین صرف اچھوتے اور نرالے ہی نہیں بلکہ ان کی طرز ادا بھی بہت دل چسپ اور نرالی ہے۔ انہوں نے جدت ادا کے نئے نئے پیرائے تلاش کیے ہیں۔ وہ پرانے مضامین کو بھی اس انداز سے بیان کرتے

ہیں کہ پرانی باتیں بھی نئی معلوم ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں نئی نئی ترکیبیں اور بندشیں متعارف کرائی ہیں۔ مثلاً:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا ان کا ہے اپنے عالم تقریر کا

۲۔سہل ممتنع:

سہل ممتنع مرزا غالب کے کلام کی ایک اہم خوبی ہے۔ مرزا غالب کی شاعری میں یہ خوبی درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ مثلاً

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی
ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
ہم کو ان سے وفا کی امید
جو جانتے نہیں وفا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا وفا کیا ہے

ایجاز واختصار:

غالب کے کلام کی ایک نمایاں ترین خوبی اس کا ایجاز واختصار ہے۔ انہیں الفاظ کے انتخاب اور معانی کے ابلاغ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ کم ازکم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی سمونا ان کی شاعری کا کمال ہے۔ مثلاً

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم۔
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
مگس کو باغ میں جانے نہ دے
ناحق خون پروانے کا ہو گا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

شوخی وظرافت:

غالب کے کلام میں اس قدر شوخی وظرافت ہے کہ ان کے شاگرد مولانا حالی نے اسی بنا پر انہیں ''حیوان ظریف'' کہا ہے۔ان کی یہ ظرافت خطوط کے علاوہ اشعار میں بھی اپنا رنگ خوب جماتی ہے۔وہ اپنے غم دل کو ظرافت کے پردے میں چھپا کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ان کی شوخی وظرافت عامیانہ اور پھکڑ پن پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں زندہ دلی پائی جاتی ہے۔ان کی ظرافت کی ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے صرف دوسروں کو ہی نشانہ نہیں بناتے بلکہ ان کی اپنی ذات بھی اس سے نہیں بچ سکتی۔مثلاً

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

سوز وگداز:

غالب کے کلام میں سوز وگداز کی بھرپور کیفیت پائی جاتی ہے۔وہ انتہائی غم والم کے موقع پر بھی جذبے کو عقل کے کنٹرول میں رکھتے ہیں۔مصائب وآلام کو برداشت کرنا ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ان کا سوز وگداز انسانی زندگی کا حقیقی سوز وگداز محسوس ہوتا ہے۔مثلاً

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر
ہر گل تر ایک چشم خوں فشاں ہو جائے گا
گو ہاتھ میں جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

صوفیانہ رنگ:

مرزاغالب اگرچہ صوفی شاعر نہ تھے مگراس کے باوجود انہوں نے تصوف کے مسائل کو اپنے اشعار میں بڑی بے تکلفی سے بیان کیا ہے۔وہ مسائل تصوف پر جب اشعار میں بات کرتے ہیں تو وہ اس کے نہایت باریک نکتے بھی بیان کر جاتے ہیں۔غالب تصوف میں وحدۃ الوجودی نقطہ نظر کے حامل تھے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اصل شہود، شاہد و مشہود ایک ہے
حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

ہستی کے فریب میں مت آئیو اسد
عالم تمام حلقۂ دام خیال میں ہے

قدیم روایت سے بغاوت:

مرزاغالب کے کلام کی ایک اہم خوبی شاعری کی قدیم روایت سے بغاوت ہے۔اپنی جدت پسند طبیعت کی بدولت وہ قدیم روایت سے بغاوت کرتے ہوئے نئی راہ نکالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔انہوں نے ان روایات کا بھی مذاق اڑایا جو قدیم شعرا کے نزدیک شعری مسلمات میں سے تھیں۔جنت، دوزخ، قیس، فرہاد، مجنوں اور خضر وغیرہ پر انہوں نے نہایت شوخی اور بے باکی سے تنقید کی ہے۔مثلاً

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق

آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا؟
اور بازار سے لے آئے گر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جام سفال ہے

اچھوتی تشبیہات:

مرزا غالب اپنی شاعری میں پرانی تشبیہات کے علاوہ کئی اچھوتی اور نئی نئی تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں سانس کو موج سے، بے خودی کو دریا سے، بدن کو قالب خشت سے اور گرداب کو شعلۂ جوالہ وغیرہ جیسی تشبیہات سے مزین کیا ہے۔ مثلاً

قید میں یعقوب نے لی، گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہوگئیں
جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
کہ میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

محاکات نگاری:

مرزا غالب کے کلام کی ایک خوبی 'محاکات نگاری' ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں الفاظ کے ذریعے بہت خوب صورت اور مناسب نقشہ کشی کی ہے۔ ان کے کلام میں موجود بعض اشعار کو پڑھتے ہی قاری کی آنکھوں کے سامنے خوبصورت مناظر گردش کرنے لگتے ہیں۔ جو بلاشبہ کلام میں قاری کی دل چسپی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے، کفن کے پاؤں
نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

پہلوداری:

مرزا غالب کے کلام کی اس خوبی کا ذکر مولانا حالی نے اپنی کتاب ''یادگار غالب''، میں تفصیلی

طور پر بیان کیا ہے۔ پہلوداری سے مراد یہ ہے کہ ایسا شعر جس میں بیان شدہ الفاظ سے کئی مطالب نکلتے ہوں، پہلی نظر میں کچھ اور معنی سمجھ میں آتے ہوں مگر غور کرنے کے بعد اس کے دیگر معنی مراد ہوں۔ مثلاً

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مرگئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

واردات عشق:

غزل میں عشق کی واردات کی بہت اہمیت ہے۔ چنانچہ واردات عشق کے جتنے نمونے ہمیں غالب کی شاعری میں ملتے ہیں وہ کسی اور شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ وصل کی پر کیف ساعتیں، عاشق اور معشوق کی چھیڑ چھاڑ، ہجر کی بے سروسامانیاں، محبوب کے روٹھنے وغیرہ کی کیفیت، دیوانگی شوق، صحرانوردی اور عشق کی آوارگی وغیرہ کا ذکر کثرت سے ان کے کلام میں ملتا ہے۔ مثلاً

عشق سے طبیعت نے زیست نے کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

الغرض غالب کے کلام کی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر انہیں شہرت دوام حاصل ہوئی ہے۔ وہ کسی ایک عہد کے شاعر نہیں بلکہ وہ ہر عہد کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری ہر دور کے انسان کی نفسیات سے مکمل طور پر آہنگ ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر آفاقی صفات پیدا ہوئی ہیں۔

❀❀❀❀❀